تدبّرِ قرآن

۶۵

الطّلاق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۔ سورہ کا عمود اور سابق و لاحق سے تعلق

سابق سورہ ــــ التغابن ــــ کی آیات ۱۴-۱۶ میں یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ آدمی کے بیوی بچے اس کے لیے بڑی آزمائش ہیں۔ اگر وہ چوکنا نہ رہے تو ان کی محبت میں گرفتار ہو کر وہ اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی سے جی چرانے لگتا ہے یہاں تک کہ یہ چیز اس کو بالآخر نفاق میں مبتلا کر دیتی ہے اور اس طرح ان کے ساتھ اس کی دوستی خود اپنے ساتھ دشمنی بن جاتی ہے۔ ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی فرمائی ہے کہ ان سے چوکنے رہنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ بالکل ہی قطع تعلق کر لے بلکہ تا حدِ امکان اس طرح عفو و درگزر کا معاملہ رکھے کہ ان کی اصلاح بھی ہو اور اپنے کو ان کے ضرر سے محفوظ بھی رکھ سکے۔

سورۂ تغابن کے بعد دو سورتوں ــــ الطلاق اور التحریم ــــ میں اسی نازک مسئلہ کی مزید وضاحت فرمائی اور نفرت و محبت دونوں طرح کے حالات کے اندر صحیح رویہ کے حدود معین کر دیے تاکہ کسی بے اعتدالی کی گنجائش نہ باقی رہے۔ سورۂ طلاق میں یہ بتایا ہے کہ اگر بیوی سے کسی سبب سے نفرت پیدا ہو جائے تو اس کے معاملے میں کس طرح حدود الٰہی کی پابندی کا اہتمام کرے اور سورۂ تحریم میں یہ واضح فرمایا ہے کہ محبت میں کس طرح اپنے آپ کو اور ان کو حدودِ الٰہی کا پابند رکھنے کی کوشش کرے۔ میاں بیوی کے رشتہ ہی پر تمام معاشرت کی بنیاد ہے اور ہر شخص کو اس سے سابقہ بھی پیش آتا ہے لیکن اس رشتہ کے نازک حدود و قیود کا اوّل تو سب کو علم نہیں ہوتا اور جن کو ہوتا بھی ہے وہ نفرت یا محبت کی ہلچل میں ان کو ٹھیک ٹھیک ملحوظ رکھنے میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ کوئی سبب اگر اختلاف یا افتراق کا پیدا ہو گیا ہو تو وہ ایسی نفرت و عداوت کی شکل اختیار کر لیتا ہے کہ شریعت کے تمام حدود و احکام پس پشت ڈال دیے جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر تعلقات محبت پر قائم ہیں، جیسا کہ ہونا چاہیے، تو خدا کے حدود و آداب کا احترام اس محبت پر قربان کر دیا جاتا ہے۔ یہ دونوں ہی حالتیں حدودِ الٰہی سے تجاوز اور شریعت سے انحراف کی ہیں جن کا نتیجہ آخرت کی نامرادی ہے اس وجہ سے قرآن نے دو الگ الگ سورتوں میں تفصیل سے بتایا کہ نفرت اور محبت دونوں قسم کے حالات کے اندر

آدمی کا معاملہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ مجرد اندھے بہرے جذبات، پر نہیں بلکہ خدا کے حدود پر مبنی ہونا چاہیے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں سورتیں در حقیقت، سورہ تغابن ہی کے اجمال کی شرح کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان دونوں ہی میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور یہ خطاب بغیر کسی تمہید کے شروع ہو گیا ہے جو اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ سابق سورہ ہی کا تکملہ و تتمہ ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست خطاب شخصاً نہیں بلکہ امت کے وکیل کی حیثیت سے ہے۔ اس طرح کے خطاب کی مثالیں قرآن مجید میں بہت ہیں۔ اس براہ راست خطاب سے ان احکام کی اہمیت دو چند ہو گئی ہے جو ان سورتوں میں بیان ہوئے ہیں۔ یہاں جن خرابیوں کی اصلاح کی گئی ہے وہ جاہلیت کی سوسائٹی میں عام رہی ہیں بلکہ شاید یہ کہنا بھی بے جا نہ ہو کہ اس تہذیب و تمدن کے دور میں بھی یہ عام ہیں۔ یہ صورت حال مقتضی ہوئی کہ ان کی اصلاح کے احکام براہ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے دیے جائیں تاکہ لوگوں کے اندر یہ احساس پیدا ہو کہ جب پیغمبرؐ کو بھی ان باتوں کی پابندی کی ہدایت ہے تو تا بہ دیگراں چہ رسد!

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

سورۂ طلاق حسب ذیل دو حصوں میں منقسم ہے۔

(۱-۷) اس امر کی وضاحت کہ اگر کسی کو طلاق دینے کی نوبت آئے تو یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بیوی کو طلاق کے دو بول کہہ کر فوراً گھر سے نکال باہر کرے بلکہ اس کے لیے اللہ کے مقرر کیے ہوئے متعین قاعدے اور ضابطے ہیں جن کی پابندی ہر امیر و غریب کے لیے ضروری ہے۔ جو لوگ اپنی مالی مشکلات کے باوجود اللہ کی رضا کے لیے اس کے مقرر کیے ہوئے حدود کی پابندی کریں گے اللہ ان کی مشکل آسان کرے گا اور ان کے مال میں برکت دے گا۔ اور جو مال کی محبت میں اللہ کے حدود توڑیں گے تو وہ یاد رکھیں کہ وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑیں گے بلکہ اپنی ہی جانوں پر ظلم ڈھانے والے بنیں گے۔

(۸-۱۲) مسلمانوں کو تنبیہ کہ جن قوموں نے اللہ اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی ہے اللہ نے ان کو ہمیشہ نہایت سخت سزا دی ہے۔ تاریخ میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔ اللہ نے اس رسول کے ذریعہ سے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے کہ ان کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں کھڑا کیا ہے۔ اگر اس روشنی کی وہ قدر کریں گے تو اللہ ان کو جنت کی ابدی نعمتوں سے نوازے گا اور اگر انھوں نے اس کی ناقدری کی تو یاد رکھیں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

سُوْرَةُ الطَّلَاقِ (۶۵)

مَدَنِيَّةٌ —— آیات: ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

آیات يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ
۱-۱۲ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ
بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَ
تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ
نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ﴿۱﴾
فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ
بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ
لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۬ؕ
وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ﴿۲﴾ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ
حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴿۳﴾ وَالّٰٓئِيْ
يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ
ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓئِيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ

أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ
يُسْرًا ﴿٤﴾ ذَٰلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنزَلَهُ إِلَيْكُمْ ۚ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يُكَفِّرْ
عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا ﴿٥﴾ أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ
سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ
وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ
فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۖ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُم
بِمَعْرُوفٍ ۖ وَإِن تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَىٰ ﴿٦﴾ لِيُنفِقْ
ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ۖ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ
مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ ۚ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا ۚ سَيَجْعَلُ
اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ﴿٧﴾ وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ أَمْرِ ع ١٧
رَبِّهَا وَرُسُلِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا
نُّكْرًا ﴿٨﴾ فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ﴿٩﴾
أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ۚ مع
الَّذِينَ آمَنُوا ۚ قَدْ أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿١٠﴾ رَّسُولًا يَتْلُو
عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَمَن يُؤْمِن بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا
يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا
أَبَدًا ۖ قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ﴿١١﴾ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ

سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا
اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ
ع ٢ ۵ ١٨ شَىْءٍ عِلْمًا ع ١٢

ترجمہ آیات ١-١٢

اے نبی! جب تم عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدّت کے حساب سے طلاق دو اور عدّت کا شمار رکھو اور اللہ سے، جو تمھارا پروردگار ہے، ڈرتے رہو اور ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو۔ اور نہ وہ خود ہی نکلیں الّا آنکہ وہ کسی کھلی ہوئی بدکاری کی مرتکب ہوں۔ اور یہ اللہ کے مقرر کیے ہوئے حدود ہیں اور جو اللہ کے حدود سے تجاوز کریں گے تو انھوں نے اپنی ہی جان پر ظلم ڈھایا۔ تم نہیں جانتے شاید اللہ اس کے بعد کوئی اور صورت پیدا کر دے۔ ١

پس جب وہ اپنی مدت کو پہنچ جائیں تو ان کو یا تو دستور کے مطابق نکاح میں رکھو یا دستور کے مطابق جدا کر دو اور اپنے میں سے دو ثقہ آدمیوں کو گواہ بنا لو۔ اور گواہی کو قائم رکھو اللہ کے لیے۔ یہ نصیحت ان کو کی جاتی ہے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اللہ سے ڈریں گے تو اللہ ان کے لیے راہ نکالے گا اور ان کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ ہوگا اور جو اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے تو اللہ اس کے لیے کافی ہے۔ اللہ اپنے ارادے پورے کر کے رہتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ ٹھہرا رکھا ہے۔ ٢-٣

اور تمھاری عورتوں میں جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں اگر ان کے باب میں شک ہو تو ان کی عدّت تین مہینے ہے اور اسی طرح ان کی بھی جن کو حیض نہ آیا ہو

اور حمل والیوں کی مدت وضع حمل ہے اور جو اللہ سے ڈرے گا تو اللہ اس کے لیے اس کے معاملے میں آسانی پیدا کرے گا۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمھاری طرف اتارا ہے تو جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس سے اس کے گناہ دور کر دے گا اور اس کے اجر کو بڑھائے گا۔ ۴۔۵

اور ان کو رکھو جس طرح اپنی حیثیت کے مطابق تم رہتے ہو اور ان کو تنگی میں ڈالنے کے لیے ضرر نہ پہنچاؤ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرو تا آنکہ وہ حمل سے فارغ ہو جائیں۔ پس اگر وہ تمھارے بچے کو دودھ پلائیں تو ان کو ان کا معاوضہ دو اور دستور کے مطابق ایک قرارداد کر لو۔ اگر تم کوئی زحمت محسوس کرو تو اس کے لیے کوئی اور دودھ پلائے گی۔ چاہیے کہ کشادگی والا اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے اور جس کو کم ہی رزق دیا گیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اس کو دیا ہے۔ جتنا جس کو اللہ نے دیا ہے اس سے زیادہ کسی پر وہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ اللہ تنگی کے بعد کشادگی بھی پیدا کرے گا۔ ۶۔۷

اور کتنی ہی بستیاں ایسی ہوئی ہیں جنھوں نے اپنے رب کے حکم اور اس کے رسولوں سے سرکشی کی تو ہم نے ان کا سخت محاسبہ کیا اور ان کو نہایت ہولناک عذاب دیا تو انھوں نے اپنے کیے کا وبال چکھا اور ان کا انجام نامرادی ہوا۔ اللہ نے ان کے لیے ایک سخت عذاب بھی تیار کر رکھا ہے۔ تو اللہ سے ڈرو، اے عقل والو، اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو۔ اللہ نے تمھاری طرف ایک یاددہانی اتار دی ہے۔ ایک رسول جو تمھیں اللہ کی واضح آیتیں پڑھ کر سناتا ہے تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے تاریکیوں سے روشنی کی طرف نکالے۔ اور جو ایمان لائیں گے اور عمل صالح کریں گے

ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ اللہ نے ان کو نہایت اچھی روزی دی۔ ۸-۱۱

اللہ ہی ہے جس نے بنائے سات آسمان اور انہی کے مانند زمین بھی۔ ان میں اس کے احکام نازل ہوتے رہتے ہیں۔ اس سے جانو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ نے اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔ ۱۲

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۗ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۗ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا (۱)

نبی صلعم سے خطاب کی اہمیت

تمہید میں ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب شخصاً نہیں بلکہ امت کے وکیل کی حیثیت سے ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ کو خطاب کرنے کے بعد معاً 'طَلَّقْتُمُ' میں ضمیر خطاب جمع کی آگئی ہے جس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ یہاں جو احکام دیے جا رہے ہیں وہ ہیں تو تمام مسلمانوں کے لیے البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے یہ احکام دینے سے ان کی اہمیت، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، بہت بڑھ گئی ہے۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ لوگوں کے اندر ان کی عظمت کا احساس پیدا ہو کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ان باتوں کی پابندی لازمی ہے تو دوسروں پر تو بدرجہا زیادہ ہو گی۔

طلاق کے باب میں حدود الٰہی کا احترام

جاہلیت میں طلاق کا عام طریقہ یہ رہا ہے کہ جس کو بھی بیوی پر کسی سبب سے غصہ آیا وہ نتائج و عواقب کا لحاظ کیے بغیر، ایک ہی سانس میں تین ہی نہیں بلکہ ہزاروں طلاقیں دے ڈالتا اور ساتھ ہی اس کو گھر سے باہر بھی نکال دیتا کہ جب طلاق دے چھوڑی تو اب اپنے گھر میں اس کی ایک وقت کی روٹی کا بھی خرچ کیوں برداشت کرے! اس طرح طلاق دینے میں عورت، مرد، بچوں بلکہ پورے کنبہ کے لیے یہاں تک کہ اس بچہ کے لیے بھی، جو عورت کے پیٹ میں بصورت حمل ہو سکتا ہے، جو مضرتیں ہیں ان پر سورۂ بقرہ کی تفسیر میں بحث ہو چکی ہے۔ یہاں انہی مضرتوں کو پیش نظر رکھ کر ہدایت فرمائی کہ غصہ اور نفرت کے جوش میں اللہ کے مقرر کیے ہوئے حدود و قیود کو نہ بھولو۔ جو

لوگ ایسا کرتے ہیں وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ خود اپنی ہی جانوں پر ظلم ڈھاتے ہیں۔

’إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ‘۔ فرمایا کہ جب کسی کو طلاق دینے کی نوبت آئے تو وہ عدت کے حساب سے طلاق دے اور اس عدت کا اہتمام سے شمار رکھے۔ اس کی وضاحت سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ وہاں فرمایا ہے: ’اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ‘ (البقرۃ ۲: ۲۲۹) جس سے معلوم ہوا کہ یہ جائز نہیں ہے کہ ایک ہی سانس میں تین یا تین سے زیادہ طلاقیں دے کر بیوی کو جدا کر دے بلکہ دو مہینوں میں، دو طُہروں کے اندر، طلاق دے اور پھر تیسرے طُہر میں اگر چاہے تو مراجعت کر لے اگر اس کو حسنِ سلوک کے ساتھ بیوی کی طرح رکھنا مقصود ہو، ورنہ دستور کے مطابق رخصت کر دے۔ اگر آخری فیصلہ قطعِ تعلق ہی کا ہے۔

اس عدت کا شمار میاں اور بیوی دونوں کے لیے ضروری ہے۔ بیوی کے لیے اس وجہ سے ضروری ہے کہ ان تین مہینوں کے اندر، جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲۸ میں بیان ہوا، وہ اس بات کی پابند ہے کہ کسی اور مرد کی زوجیت میں نہیں جا سکتی۔ میاں کے لیے اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس مدت کے اندر اس کو حق حاصل ہے کہ اگر وہ اس کو بیوی کی طرح رکھنا چاہے تو مراجعت کر لے۔ اس مدت کے گزر جانے کے بعد اس کا یہ حق ختم ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ اس دوران میں اگر معلوم ہوا کہ عورت حاملہ ہے تو اس کی عدت وضعِ حمل تک ممتد ہو جائے گی اور اس دوران میں عورت کے نان نفقہ اور اس کی رہائش کی ساری ذمہ داری مرد پر ہو گی۔

’وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ‘۔ فرمایا کہ اللہ سے، جو تمہارا خداوند ہے، ڈرتے رہو۔ ’ڈرتے رہو‘ یعنی اس کے مقرر کیے ہوئے ان حدود کی پابندی، اس غصہ کے باوجود کرتے رہو جو تمہارے اندر بیوی کے خلاف پیدا ہو چکا ہے۔ اگر حدود توڑو گے تو یاد رکھو کہ اپنے اس خداوند کے حدود توڑو گے جس کی اطاعت تم پر واجب ہے اور جس کی پکڑ اور جس کے قہر و غضب سے تمہیں کوئی نہ بچا سکے گا۔

طلاق میں عدت کی پابندی کی بعض مصلحتیں

’لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِن بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ‘۔ اس عدت کے دوران نہ تو تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ ان کو ان کے گھروں سے نکالو اور نہ انہی کے لیے جائز ہے کہ وہ وہاں سے اٹھ کھڑی ہوں بلکہ دونوں یکجا ایک ہی گھر میں رہیں تاکہ باہمی سازگاری اور اصلاحِ احوال کی کوئی گنجائش ہو تو یہ یکجائی اس میں مددگار ہو۔ اللہ تعالیٰ کو میاں بیوی کا رشتہ ٹوٹنا پسند نہیں ہے۔ طلاق ایک مجبوری کا علاج ہے۔ اللہ نے بندوں کی مجبوریوں کے تحت اس کو جائز تو رکھا ہے لیکن یہ ’اکرہ المباحات‘ یعنی جائز چیزوں میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مکروہ ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے بندوں کو اس سے بچانے ہی کے لیے طلاق پر عدت کی شرط عائد کی ہے اور یہ بھی ضروری قرار دیا ہے کہ اس مدت میں میاں بیوی دونوں ایک ہی گھر میں رہیں تاکہ دونوں ٹھنڈے دل سے اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ

کر سکیں کہ آخری قدم اٹھانے سے پہلے سازگاری اور اصلاحِ احوال کا کوئی امکان ہے یا نہیں؟

زمانۂ عدت میں شوہر کا گھر بیوی کا بھی گھر ہے

'لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ' میں لفظ 'بُيُوْتِهِنَّ' اس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ مرد کو یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ گھر اسی کا ہے بلکہ یہ گھر جس طرح اس کا ہے اسی طرح زمانۂ عدت میں بیوی کا بھی ہے اس وجہ سے نہ تو مرد کے لیے جائز ہے کہ بیوی کو اس کے گھر سے نکالے اور نہ بیوی کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ برہم ہو کر گھر سے چل کھڑی ہو۔ یہاں نکلنے سے مراد وہ نکلنا نہیں ہے جو معمولاً اپنی چھوٹی موٹی ضروریات کے لیے ہوا کرتا ہے بلکہ وہ نکلنا ہے جو کسی گھر کے خیرباد کہنے کے معنی میں ہوتا ہے۔

ایک مستثنیٰ صورت

'اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ' یعنی اس سے صرف ایک شکل مستثنیٰ ہے وہ یہ کہ مرد نے عورت کو طلاق کسی ایسی حرکت کی بنا پر دی ہو جو 'فَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ' کے حکم میں داخل ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ زنا یا اس کے لوازم و مقدمات ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ ان سے کم درجے کی برائی کے لیے اس لفظ کا استعمال معروف نہیں ہے۔ اگر مرد کی نگاہ عورت کی کسی ایسی حرکت پر پڑی ہے اور اس سے مشتعل ہو کر اس نے طلاق دی ہے تو پھر نہ مرد سے یہ مطالبہ کرنا جائز ہے کہ وہ ایسی عورت کو اپنے گھر میں ڈالے رکھے اور نہ اس سے اس فائدہ کے حاصل ہونے ہی کی توقع ہے جس کے لیے شریعت نے یہ یکجائی ضروری قرار دی ہے۔ کسی باحمیت مرد سے یہ توقع نہیں کرنی چاہیے کہ اس کے دل کے اندر کسی ایسی عورت کے لیے کبھی گنجائش پیدا ہو سکے گی جس کی بے وفائی اس کے علم میں آ چکی ہو۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جن میاں بیوی کے درمیان لعان تک نوبت پہنچ جاتی ہے ان کے درمیان فقہاء جدائی کرا دینے ہی میں بہتری خیال کرتے ہیں اس لیے کہ جو مرد بقیدِ قسم اپنی بیوی کو فاحشہ قرار دے چکا ہر چند اس کے الزام کا قانونی توڑ عورت کی جوابی قسم سے ہو جاتا ہو لیکن اس جوابی قسم سے مرد کے دل کو نہیں بدلا جا سکتا۔ اسی طرح اگر کسی نے اپنی بیوی کو ایسی بنیاد پر طلاق دی ہے جو 'فاحشہ مبینہ' سے تعلق رکھنے والی ہے تو اس سے یہ توقع رکھنا عبث ہے کہ اس کا دل کبھی عورت سے صاف ہو سکے گا۔

حدودِ الٰہی کی خلاف ورزی کا ضرر خلاف ورزی کرنے والوں کو پہنچتا ہے

'وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ' یہ تنبیہ اور نہایت اہم تنبیہ ہے۔ فرمایا کہ یہ اللہ کی قائم کی ہوئی حدیں ہیں تو جو ان کو لانگھنے کی جسارت کرے گا وہ یاد رکھے کہ وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا بلکہ اپنی ہی جان پر ظلم ڈھائے گا۔ اللہ نے جو قیدیں اور پابندیاں بندوں پر عائد کی ہیں کسی اپنے نفع کے لیے نہیں عائد کی ہیں بلکہ بندوں ہی کی بہبود کے لیے عائد کی ہیں۔ جو لوگ ان کو توڑتے ہیں وہ یاد رکھیں کہ وہ ان کو توڑ کر اپنے ہی شخصی، زوجی، عائلی اور اجتماعی مصالح برباد کرتے ہیں۔

ایک عظیم حکمت

'لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا' یہ اس مصلحت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو 'لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ' کی ہدایت میں مضمر ہے۔ فرمایا کہ تم نہیں جانتے، شاید اللہ تعالیٰ اس طرح کوئی ایسی بات پیدا کر دے کہ میاں بیوی میں اختلاف کے بعد ملاپ کی صورت پیدا

ہو جائے۔ یعنی اس یکجائی کے دوران میں میاں اور بیوی دونوں کے اندر اپنے رویّہ کے جائزہ لینے کا احساس ابھرے اور ان کے پھٹے ہوئے دل ایک دوسرے سے از سرِ نو جڑ جائیں اور ان کا اجڑتا گھر پھر آباد ہو جائے۔ اگر ایسا ہو تو اللہ تعالیٰ کو یہ بات بہت پسند ہے۔ وہ دلوں کو جڑا ہوا اور گھروں کو آباد دیکھنا پسند کرتا ہے۔ یہ پسند نہیں کرتا کہ میاں بیوی میں ایسی ناچاقی پیدا ہو کر دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں اور صرف وہی جدا نہ ہوں بلکہ ان کے بچے ہوں تو وہ بھی اپنی ماں سے اور ماں بھی اپنے بچوں سے جدا ہو جائے۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (٢-٣)

مرد کو اپنا حق عورت کی ضرر رسانی کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں ہے

فرمایا کہ جب وہ اپنی مدت کو پہنچ جائیں یعنی تیسرے طہر میں داخل ہو جائیں تب ان کے رکھنے یا الگ کر دینے کا آخری فیصلہ کرو۔ اگر ان کو رکھنا ہو تو دستور کے مطابق رکھو جس طرح ایک خدا ترس مسلمان اپنی بیوی کو رکھتا ہے اور جدا کر دینے ہی کا فیصلہ ہو تو یہ بھی شریفوں کے دستور کے مطابق یعنی کچھ دے دلا کر، احسان و مروّت کے ساتھ ہو۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۳۱ میں فرمایا ہے: وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا، یعنی اگر ان کو روکو تو یہ مراجعت اس قصد سے نہ ہو کہ وہ تمہارے پنجہ میں اسیر رہیں اور تم ان کو تنگ کر سکو۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص ایسا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اس لیے کہ اس کو مراجعت کا حق حاصل ہے لیکن یہ حق اگر کوئی عورت کو ضرر پہنچانے اور تنگ کرنے کے لیے استعمال کرے گا تو وہ خدا کے بخشے ہوئے ایک حق کو ایک نہایت ظالمانہ مقصد کے لیے استعمال کرے گا جس کا وبال بہت ہی سخت ہے۔

گواہ اور گواہی کی اہمیت

وَاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ، یعنی اس کو بیوی کی حیثیت سے رکھنا ہو تو اور جدا کرنا ہو تو، دونوں صورتوں میں اس پر اپنے اندر سے دو ثقہ مسلمانوں کو گواہ بنا لو تاکہ اس واقعہ کی بنا پر کوئی نزاع پیدا ہونے کا امکان باقی نہ رہے ورنہ اندیشہ ہے کہ فریقین میں سے کسی کی موت پر وراثت وغیرہ کے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوں۔ اس شہادت کے حکم کو فقہا نے تو عام طور پر استحسان ہی کے درجے میں رکھا ہے، اور ایک اچھے معاشرے میں اگر یہ استحسان ہی کے درجے میں رہے جب بھی کافی ہے، لیکن اس زمانے میں معاشرے کے فساد کے سبب سے جس طرح نکاح کے لیے رجسٹریشن کا طریقہ اختیار کر لیا گیا ہے اسی طرح طلاق کے لیے بھی یہ طریقہ اختیار کر لیا جائے تو اس سے بہت سی نزاعات کا سدِّباب ہو سکتا ہے۔

وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ۔ یہ مسلمانوں کو عام طور پر اور گواہوں کو خاص طور پر تاکید ہے کہ گواہی

کے فرائض کو اللہ کے لیے انجام دو۔ یعنی اوّل تو گواہی سے حتّی الامکان کترانا نہیں چاہیے ثانیاً جب گواہی کی نوبت آئے تو بے رو رعایت اور بے خوف و خطر صرف اللہ کی خاطر گواہی دو۔ یہ بات یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں مسلمانوں کو شُھَدَآءَ اللّٰهِ فِی الاَرضِ کے منصب پر سرفراز فرمایا ہے اس وجہ سے مسلمان کسی معاملہ میں کسی شخص یا کسی فریق کا گواہ نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ کا گواہ ہوتا ہے اور اسی گواہی پر است کے اندر اس کی حیثیتِ عرفی کا انحصار ہے۔

ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کا لازمی تقاضا

ذٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ فرمایا کہ یہ تمام باتیں جو اوپر کی آیات میں بتائی گئی ہیں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے لازمی نتائج میں سے ہیں۔ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان کے مدعی ہیں ان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ ان کو حرزِ جان بنائیں۔ ورنہ یاد رکھیں کہ ان کا ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کا دعویٰ بالکل بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔

حدود الٰہی کی پابندی کرنے والوں کو عظیم بشارت

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا۔ حدود کی پابندی کرنے والوں کو اطمینان دلایا ہے کہ وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھیں کہ ان کو کوئی مشکل پیش آئی تو اللہ ان کے لیے راہ نکالے گا۔ وہ اپنے بندوں کا مشکلات کے ذریعے سے امتحان کرتا ہے۔ جو ان سے پست حوصلہ ہو کر برگشتہ ہو جاتے ہیں خدا بھی ان کو چھوڑ دیتا ہے لیکن جو مشکلات کے علی الرغم خدا کے حدود کا احترام قائم رکھنے کا عزم کر لیتے ہیں اللہ تعالیٰ بالآخر ان کی راہ آسان کر دیتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت ۲۹: ۶۹) (جو واقع کے علی الرغم ہماری راہ پر چلنے کی جدوجہد کریں گے ہم ضرور ان کے لیے اپنی راہیں کھولیں گے)۔

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ یہ اوپر والی بات ہی کی مزید وضاحت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو وہاں سے روزی دے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہو گا۔ اوپر ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ ایک ہی سانس میں تین طلاقیں دے کر بیوی کو گھر سے نکال باہر کرنے کا ایک بڑا محرک، خاص طور پر غربا کے لیے، ان کا معاشی مسئلہ بھی ہوتا ہے۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ جب ایک عورت کو طلاق دے چھوڑی تو اب اس کے نان نفقہ کی ذمہ داری مفت میں کیوں اٹھائیں! اللہ تعالیٰ نے ان کو اطمینان دلایا ہے کہ اگر تم اللہ کے حدود کے احترام کے لیے یہ بوجھ اٹھاؤ گے تو وہ تمھیں وہاں سے رزق فراہم کرے گا جہاں سے تم کو گمان بھی نہ ہو گا۔ یہ خیال نہ کرو کہ خدا کی رحمت اور اس کی مدد کے راستے اتنے ہی ہیں جتنے تم نے سوچ رکھے ہیں یا جو تم قیاس کر سکتے ہو بلکہ اس کے بے شمار راستے ہیں جن کا علم اسی وقت ہوتا ہے جب وہ کھلتے ہیں۔ اس وقت انسان حیران رہ جاتا ہے کہ اس کے لیے خدا کی مدد اس گوشے سے نمودار ہوئی جدھر سے اس کے نمودار ہونے کا وہ کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔ فرمایا کہ اس کے لیے شرط صرف یہ ہے کہ خدا پر پورا بھروسہ رکھو۔ اگر تم خدا پر بھروسہ رکھو گے تو وہ تمھاری دست گیری کے لیے کافی ہے۔ وہ اسباب و وسائل

کا محتاج نہیں ہے۔ اسباب و وسائل سب اس کے تابع ہیں۔ بندے کو یہ اندیشہ نہیں رکھنا چاہیے کہ جن نامساعد حالات میں وہ گھرا ہوا ہے خدا ان کو بدلنے سے قاصر رہ جائے گا۔ جب وہ مدد کرنا چاہے گا تو اس کے ارادے میں کوئی چیز مزاحم نہ ہو سکے گی۔

اللہ کی مدد کے ظہور کے لیے ایک وقت مقرر ہوتا ہے

إِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا۔ البتہ یہ بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے اسی طرح اس کی نصرت کے ظہور کے لیے بھی ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ اس کے ظہور میں اگر کچھ دیر ہوتی ہے تو اس سے مقصود بندوں کے صبر کا امتحان ہوتا ہے۔ بندے کو اطمینان رکھنا چاہیے کہ اللہ نے جو وعدہ کر رکھا ہے وہ ضرور پورا کرے گا۔ اگر اس میں دیر ہو گی تو اتنی ہی ہو گی جتنی اس کے صبر کے امتحان کے لیے ضروری ہے اور یہ امتحان اسی کی بھلائی کے لیے ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان آیات میں جو طریقہ طلاق دینے کا بتایا گیا ہے اگر کوئی شخص اس پر عمل نہیں کرتا بلکہ ایک ہی وقت میں تین یا اس سے زائد طلاقیں دے کر بیوی کو علیحدہ کر دیتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

اس سوال کے جواب میں حنفیہ اور دوسرے ائمہ کے درمیان اختلاف ہے۔ دوسرے ائمہ کے نزدیک تو اس طرح طلاق دینے والے کی ایک سے زیادہ طلاقیں ایک ہی کے حکم میں محسوب ہوں گی لیکن حنفیہ کے نزدیک اس طرح طلاق دینے والے کی طلاق تو واقع ہو جائے گی البتہ صحیح طریقہ اختیار نہ کرنے کے سبب سے وہ عند اللہ گنہگار ہو گا۔

ہمارے نزدیک ان دونوں ہی مسلکوں میں تھوڑی کسر ہے جس کی اصلاح، احترام شریعت کے نقطۂ نظر سے ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص قرآن کی اتنی واضح ہدایات کے باوجود، ایک ہی سانس میں کئی طلاقیں دے ڈالتا ہے اور اس کی اس جسارت پر اس کو کوئی تادیب نہیں ہوتی تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ دین کے ساتھ اس نے جو مذاق کیا اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا گیا۔ اس کا نوٹس لینا ضروری ہے ورنہ لفظ 'طلاق' ایک بالکل بے معنی لفظ بن کے رہ جاتا ہے حالانکہ شریعت میں نکاح و طلاق کے الفاظ نہایت اہم ہیں جن کو مذاق کے طور پر بھی استعمال کیا جائے تو یہ حقیقت بن جاتے ہیں۔ اس پہلو سے غور کیجیے تو حنفیہ کا مسلک، احترام شریعت کے نقطۂ نظر سے، زیادہ قرین صواب معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کی طلاق کو واقع کر دیتے ہیں۔ لیکن ایک خامی اس میں بھی ہے۔ وہ یہ کہ اگر اس کو کوئی تادیب و تعزیر نہ کی جائے تو مجرد اس بات سے کہ اس طرح طلاق دینے والا عند اللہ گنہگار ہو گا لوگوں کے اندر قرآن کے بتائے ہوئے طریقہ کا صحیح احترام پیدا نہیں کیا جا سکتا اس وجہ سے ضروری ہے کہ اس کی طلاق کو نافذ کرنے کے ساتھ دین کے ساتھ کھیل کرنے کی کوئی سزا بھی اس کو دی جائے تاکہ جو لوگ طلاق دینے کا یہ غلط طریقہ اختیار کرتے

ہیں ان کی حوصلہ شکنی ہو۔

حنفیہ کے اس فتوے کی بنیاد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک اجتہاد پر ہے اور ہمیں جہاں تک علم ہے ان کا اجتہاد یہ ہے کہ اس طرح طلاق دینے والے کی طلاق نافذ تو کر دینی چاہیے اس لیے کہ اس نے ضائع کیا ہے تو اپنا حق رجعت ضائع کیا ہے لیکن ساتھ ہی حدودِ الٰہی کی جو خلاف ورزی اس نے کی ہے اس کی سزا بھی اس کو ملنی چاہیے تاکہ دوسروں کو حدودِ شریعت کی خلاف ورزی کی جرأت نہ ہو۔ یہ اجتہاد نہایت حکیمانہ ہے۔ ہم نے اس کتاب میں فقہی جزئیات پر بحث کے لیے ایک خاص حد مقرر کر لی ہے، اس وجہ سے اشارہ پر کفایت کرتے ہیں۔ اپنے بعض فقہی مقالات میں ہم نے اس پر بحث کی ہے۔

وَالّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا (۴)

عورتوں کے اختلافِ حالات کے سبب سے ان کی عدت میں فرق

اوپر ان عورتوں کی عدت بتائی ہے جن کو حیض آتا ہے اور جن کی عدت کی حد بندی حیض اور طہر سے ہو سکتی ہے۔ اب یہ ان عورتوں کی عدت بتائی جا رہی ہے جو آئسہ ہو چکی ہوں یا ابھی ان کو حیض آیا ہی نہ ہو یا وہ حاملہ ہوں جس کے سبب سے ان کو حیض نہ آ رہا ہو۔ فرمایا کہ جو آئسہ ہو چکی ہوں یا جن کو ابھی حیض آیا ہی نہ ہو ان کی عدت تو تین مہینے ہے اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔

ارباب تاویل کی ایک الجھن اور اس کا حل

آئسہ عورتوں کے ساتھ 'اِنِ ارْتَبْتُمْ' کی جو شرط لگی ہوئی ہے اس کے سبب سے ہمارے اربابِ تاویل کو اس میں بڑا ارتیاب پیش آیا ہے۔ عام طور پر لوگ اس کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ اگر تمہیں ان کی عدت کے بارے میں کوئی شبہ ہو تو ہم تم کو بتاتے ہیں کہ ان کی عدت تین مہینے ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عورت کو خون تو آتا ہو لیکن یہ متعین نہ ہو رہا ہو کہ یہ حیض ہے یا استحاضہ تو اس کی عدت تین مہینے ہے۔

پہلا قول سعید ابن جبیرؓ سے مروی ہے اور ابن جریرؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے لیکن یہ قول کچھ قوی نہیں معلوم ہوتا۔ اگر مقصود محض لوگوں کے سوال کا حوالہ ہے تو اس مضمون کی تعبیر کے لیے موزوں ترین لفظ 'سوال' ہے جو قرآن میں اس طرح کے مواقع میں ہر جگہ استعمال ہوا ہے۔ اس کے لیے 'اِرْتَبْتُمْ' کا لفظ موزوں نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر سوال ہوتا تو ان تینوں ہی قسم کی عورتوں سے متعلق ہوتا جن کا حکم یہاں بیان ہوا ہے، جیسا کہ روایات سے معلوم بھی ہوتا ہے، لیکن 'اِرْتَبْتُمْ' اس طرح استعمال ہوا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آئسہ عورتوں کے ساتھ بطور ایک شرط مذکور ہوا ہے۔

دوسرا قول مجاہدؒ، زہریؒ اور ابن زیدؒ سے مروی ہے۔ اس میں ایک تو یہ بات کھٹکتی ہے کہ اگر یہ مسئلہ ایسی عورتوں کا ہے جن کو خون آتا ہے لیکن یہ شک پیدا ہو رہا ہے کہ یہ حیض ہے یا استحاضہ تو ان کو آئسہ سے تعبیر کرنا موزوں نہیں تھا حالانکہ یہاں ان کے لیے 'وَالّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ' کے

الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ دوسرا یہ کہ اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ جس آئسہ کے بارے میں اس طرح کا شک نہ ہو اس کے لیے کوئی عدت نہیں ہے۔ وہ طلاق کے معاً بعد الگ ہو جائے گی حالانکہ جہاں تک ہمیں علم ہے غیر مدخولہ آئسہ کے لیے تو کسی عدت کی قید نہیں ہے لیکن جو آئسہ مدخولہ ہے اس کے لیے تین ماہ کی عدت کی قید بہر شکل ہے۔

ان شبہات کے سبب سے میرا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ 'اِنِ ارْتَبْتُمْ' کی شرط یہاں آئسہ غیر مدخولہ اور آئسہ مدخولہ کے درمیان امتیاز کے لیے آئی ہے۔ یعنی آئسہ اگر مدخولہ ہے تو آئسہ ہونے کے باوجود اس کا امکان ہے کہ شاید یاس کی حالت عارضی ہو، پھر امید کی شکل پیدا ہو گئی ہو اور اس کے رحم میں کچھ ہو۔ یہی صورت اس کو بھی پیش آ سکتی ہے جس کو ابھی اگرچہ حیض نہیں آیا ہے لیکن وہ مدخولہ ہے۔ چنانچہ اسی بنیاد پر آئسہ غیر مدخولہ اور صغیرہ غیر مدخولہ کے لیے تو کسی عدت کی ضرورت نہیں ہے لیکن آئسہ یا صغیرہ، جس کو حیض نہ آیا ہو، اگر مدخولہ ہوں تو ان کے بارے میں چونکہ شبہ کا امکان ہے اس وجہ سے ان کے لیے عدت ہے۔ ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ اگر بات یہی کہنی تھی تو صاف صاف یوں کیوں نہ کہہ دی کہ اگر آئسہ مدخولہ ہو تو اس کی عدت تین مہینے ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر بات یوں کہی جاتی تو اس سے عدت کی اصل علت واضح نہ ہوتی جب کہ اس کا واضح ہونا ضروری تھا۔ اس عدت کی اصل علت عورت کا مجرد مدخولہ ہونا نہیں بلکہ یہ اشتباہ ہے کہ ممکن ہے اس کے رحم میں کچھ ہو۔

'وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ'۔ فرمایا کہ اسی طرح وہ عورتیں جو حاملہ ہوں ان کی عدت وضع حمل ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اس حکم کے متعلق یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۳۴ میں بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن بیان ہوئی ہے اور یہاں حاملہ کی عدت وضع حمل بیان ہوئی ہے تو اگر کسی حاملہ مطلقہ کا شوہر انتقال کر جائے تو وہ عدت کے چار مہینے دس دن پورے کرے گی یا وضع حمل کے ساتھ ہی اس کی عدت ختم ہو جائے گی؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ حاملہ کی عدت مہینوں اور دنوں کے حساب سے مقرر نہیں کی جا سکتی۔ وہ تو بہرحال وضع حمل ہی کے ساتھ مشروط ہو گی۔ یہ چار ماہ دس دن سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے اور کم بھی ہو سکتی ہے۔ اگر زیادہ ہو جائے تو عورت بہرحال اس کو گزارنے کی پابند ہو گی تو جب کم ہو تو عورت کو اس کمی سے فائدہ اٹھانے کا بھی حق ہونا چاہیے۔ گویا یہ دونوں حکم دو الگ الگ حالتوں سے متعلق ہیں اور دونوں اپنے اپنے دائروں میں نافذ العمل رہیں گے۔

حدودِ شریعت کی پابندی کرنے والوں کو اطمینان دہانی

'وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا'۔ وہی بات جو آیت ۲ میں فرمائی ہے معمولی تغیرًا الفاظ کے ساتھ یہاں بھی دہرائی ہے۔ احکام کے ساتھ ساتھ یہ تنبیہات اس لیے ضروری ہیں کہ لوگ شریعتِ الٰہی کو بوجھ نہ محسوس کریں۔ مطلب یہ ہے کہ ان مطلقات کے زمانۂ عدت کے قیام اور

مصارف کا بار بعضوں کی طبیعت پر گراں تو گزرے گا لیکن جو لوگ اللہ سے ڈریں گے اور حتی الامکان اس کے مقرر کیے ہوئے حدود کو قائم رکھیں گے اللہ تعالیٰ ان کے لیے آسانی پیدا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر جو بوجھ ڈالتا ہے اگر بندے اس کو اٹھانے کا حوصلہ کر لیتے ہیں تو وہ اس کے اٹھانے میں ان کی مدد فرماتا ہے اور جیسا کہ اوپر فرمایا ہے ان کی مدد وہاں سے کرتا ہے جہاں سے ان کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق نہ تو یہ سوءِ ظن ہونا چاہیے کہ وہ اپنے بندوں پر کوئی ایسا بوجھ ڈالے گا جو ان کی قوتِ برداشت سے زیادہ ہو اور نہ یہ اندیشہ ہونا چاہیے کہ وہ بندے پر بوجھ ڈال کر اس کو تنہا چھوڑ دے گا۔

ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَیْكُمْ ؕ وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یُكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَ یُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا (۵)

یہ اوپر والے مضمون ہی کی مزید تاکید ہے کہ یہ اللہ کے احکام ہیں جو اس نے تمہاری طرف اتارے ہیں تو ان کو نہ گراں سمجھو، نہ ان کو حقیر جانو اور نہ یہ گمان کرو کہ وہ تم پر احکام اتار کر خود بے تعلق ہو جائے گا بلکہ وہ تمہاری مدد کرے گا اگر تم ان کو اٹھاؤ گے اور سزا بھی دے گا اگر ان کو پھینکنے کی کوشش کرو گے۔

وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یُكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَ یُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا۔ یہ تسلی دی ہے کہ اللہ کے جو بندے اپنی حد تک حدودِ الٰہی کو قائم رکھنے کی کوشش کریں گے اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ کرے گا۔ چھوٹی موٹی غلطیاں اور کوتاہیاں جو ان سے صادر ہو جائیں گی ان کو معاف کر دے گا اور ان کے نیکیوں کے اجر کو بڑھائے گا۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ ؕ وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَیْهِنَّ حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَ اْتَمِرُوْا بَیْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَ اِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰی (۶)

زمانۂ عدت میں عورتوں کو ساتھ رکھنے کا طریقہ

فرمایا کہ زمانۂ عدت میں ان عورتوں کو ساتھ رکھنے کا طریقہ ایسا نہیں ہونا چاہیے جس سے ان کی خودداری مجروح ہو بلکہ تمہاری آمدنی کے لحاظ سے رہائش کا جو معیار تمہارا ہو وہی معیارِ رہائش ان کے لیے بھی مہیا کرو اور اس دوران میں کسی پہلو سے ان کو تنگ کرنے کی تدبیریں نہ اختیار کرو کہ چند ہی دنوں میں پریشان ہو کر وہ تمہارا گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں۔

'وجد' کے معنی یافت کے ہیں۔ آدمی کا معیارِ زندگی اس کی آمدنی کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اسی کی ہدایت ان عورتوں کے باب میں فرمائی کہ ان کو اسی معیار پر رکھنا ہو گا جو معیار آدمی کا اپنا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ خود تو کوٹھیوں اور بنگلوں میں رہیں اور بیوی کو نوکروں کے کسی کوارٹر یا گیراج میں ڈال دیں اور بچا کھچا اس کو کھانے کو بھیج دیں۔

وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ۔ اگر کسی نے دل سے اللہ تعالیٰ کے یہ احکام قبول نہ کیے

ہوں تو وہ ظاہر میں ان کی خاطر داری کرتے ہوئے بھی تنگ کرنے کی ایسی تدبیریں اختیار کرسکتا ہے کہ عورت کے لیے چوبیس گھنٹے بھی اس کے گھر میں گزارنا محال ہوجائے۔ اگر ایسا ہو تو وہ ساری مصلحت یک قلم فوت ہو جائے گی جس کے لیے یہ احکام دیے گئے ہیں اس وجہ سے منفی پہلو سے بھی اس بات کی وضاحت فرمادی کہ اس دوران میں ان کو تنگ کرکے بھگا دینے کی تدبیریں نہ کی جائیں۔

'وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ'۔ یہ خاص طور پر حاملہ عورتوں کے بارے میں ہدایت فرمائی کہ ان پر اس وقت تک خرچ کرو جب تک وہ حمل سے فارغ نہ ہوجائیں۔ اس خاص اہتمام سے ذکر کی وجہ ظاہر ہے کہ ان کی مدتِ قیام طویل بھی ہوسکتی ہے اور بعض حالات میں ان کے مصارف کی نوعیت بھی مختلف ہوسکتی ہے۔

بعض احکام دربابِ رضاعت

'فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ'۔ یہ وضعِ حمل کے بعد کا مرحلہ ہے کہ اگر وہ تمھارے بچے کو دودھ پلائیں تو ان کو اس کا معاوضہ دو اور اس معاوضہ سے متعلق باہمی مشورہ سے ایک قرارداد طے کرلو جو وقت کے دستور اور مرد کے معیارِ زندگی کے مطابق ہو۔

'وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى'۔ یعنی اس طرح کی قرارداد میں اگر فریقین زحمت محسوس کررہے ہیں تو کسی دوسری عورت سے دودھ پلانے کا معاملہ ہوسکتا ہے۔ یعنی اس کا انحصار فریقین کی باہمی رضامندی، سہولت اور مفاہمت پر ہے۔ کسی کو اس معاملے میں اس کی مرضی کے خلاف مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۳۳ کے تحت رضاعت سے متعلق بنیادی مسائل پر گفتگو ہوچکی ہے۔ تفصیل مطلوب ہو تو اس پر ایک نظر ڈال لیجیے۔ ہمارے لیے فقہی جزئیات کی تفصیل کا زیادہ موقع نہیں ہے۔

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ۭ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ۭ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا (۷)

خرچ کا معیار

یہ خرچ کا معیار بتا دیا کہ کشادہ حال کو اپنی کشادہ حالی کے معیار پر خرچ کرنا پڑے گا اور تنگ حال کو اپنی آمدنی کے مطابق۔ نہ کشادہ حال کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے معیارِ زندگی سے ان کو فروتر حال میں رکھے اور نہ غریب پر اس کی حیثیت سے زیادہ بوجھ ڈالا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص پر ذمہ داری اس کی حیثیت کے اعتبار سے ڈالی ہے۔

غریبوں کو اطمینان دہانی

'سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا'۔ یہ غریبوں کو برسرِ موقع تسلّی دی ہے کہ اگر وہ اپنی حالت پر قانع و صابر اور تنگ حالی کے باوجود خدا کے حدود کو قائم رکھنے کا اہتمام کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے تنگی کے بعد آسانی پیدا کرے گا۔ غربت اور احتیاج کے باوجود اللہ کی خوشنودی کے لیے جو لوگ ایثار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے رزق میں برکت دیتا ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا

وَعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا (۸)

ایک عام تنبیہ

اس آیت کا موقع و محل سمجھنے کے لیے سورۂ تغابن کی آیات ۶-۸ پر ایک نظر ڈال لیجیے۔ یہ ایک عام تنبیہ ہے جس کے مخاطب قریش اور مسلمان سب ہیں کہ اللہ نے تمھاری رہنمائی کے لیے اپنی ہدایات نازل کر دی ہیں۔ اگر تم نے ان کی قدر کی تو ان کا فائدہ تمھی کو پہنچے گا اور اگر نافرمانی کی تو یاد رکھو کہ تم سے پہلے کتنی قومیں گزر چکی ہیں جنھوں نے اپنے رب کے احکام اور اس کے رسولوں کی تعلیمات کی ناقدری کی تو اللہ نے ان کا سخت محاسبہ کیا اور ان کو نہایت ہولناک عذاب دیا۔ یہ اشارہ عاد و ثمود وغیرہ کی طرف بھی ہے جن کی سرگزشتیں قرآن میں سنائی گئی ہیں اور یہود کی طرف بھی جن کو اللہ نے اپنی شریعت سے نوازا لیکن انھوں نے اس کی قدر نہیں کی تو وہ اللہ کے نہایت سخت عذاب کی گرفت میں آئے۔

'عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا' میں 'عَنْ' اس امر کا قرینہ ہے کہ 'عَتَتْ' یہاں 'اَعْرَضَتْ' کے مفہوم پر متضمن ہے یعنی سرکشی کے سبب سے انھوں نے اپنے رب کے حکم سے اعراض کیا۔ 'حَاسَبْنَا' یہاں محاسبے کے مفہوم میں ہے یعنی اللہ نے ان پر سخت گرفت کی اور ان کو ہولناک عذاب دیا۔ 'نُکْر' کے معنی شدید اور ہولناک کے ہیں۔

فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا (۹)

یعنی جب وہ خدا کے محاسبہ کی زد میں آگئیں تو انھیں اپنی سرکشی کا انجام بھگتنا پڑا اور ان کا انجام نامرادی ہوا اس لیے کہ فلاح و بہبود کی واحد راہ وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے بتائی ہے۔ اگر قومیں اپنی سرکشی کے سبب سے اس سے انحراف اختیار کرتی ہیں تو لازماً نامرادی سے دوچار ہوتی ہیں۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۙ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا (۱۰-۱۱)

ایک مؤثر تنبیہ و ترغیب

یہ نہایت واضح الفاظ میں مسلمانوں کو تنبیہ بھی ہے ساتھ ہی نہایت مؤثر انداز میں ترغیب بھی کہ اللہ نے تمھاری طرف اپنی یاددہانی (قرآن) بھی نازل کر دی اور اپنا رسول بھی بھیج دیا ہے۔ اب آگے کا کام تمھارا ہے کہ تاریکی سے روشنی کی طرف نکالنے کے لیے جو اہتمام اللہ نے فرمایا ہے اس کی قدر کرتے ہو یا ان قوموں کی تقلید کرتے ہو جن کا انجام نامرادی ہوا اور جن کے لیے اللہ نے ایک سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

'فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا' یعنی جب قوموں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا

معاملہ اسی سنت کے مطابق ہوا جو مذکور ہوئی تو اے اہلِ عقل جو ایمان لائے ہو، دانش مندی کا راستہ یہی ہے کہ اپنے اللہ سے ڈرو۔ مطلب یہ ہے کہ تم نے ایمان کی راہ میں جو قدم بڑھایا ہے اس سے یہ بات تو ثابت ہوئی کہ تم خواہشوں کے غلام نہیں بلکہ عقل سے کام لینے والے لوگ ہو کہ ایمان کی راہ اختیار کی تو اب تمھارے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے اللہ سے ڈرو اور اس کے حدود سے انحراف نہ اختیار کرو ورنہ تمھارا انجام بھی وہی ہوگا جو ان قوموں کا ہوا جنھوں نے اللہ کی بتائی ہوئی راہ سے انحراف کیا۔

عقل و ایمان لازم و ملزوم ہیں

'یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ' کے بعد 'اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا' سے یہ بات نکلتی ہے کہ عقل اور ایمان میں لازم و ملزوم کا رشتہ ہے۔ جو شخص عاقل ہے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ ایمان سے بہرہ ور ہو۔ اگر کوئی شخص ایمان سے بہرہ ور نہیں ہے تو خواہ وہ آسمان و زمین کا طول و عرض ناپنے میں کتنا ہی ماہر ہو لیکن اس کی عقل میں بہت بڑا فتور ہے۔

ہدایت کے لیے اہتمام

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكُمْ ذِكْرًا ۙ رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ مُبَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔ یہ اس اہتمام کی طرف اشارہ ہے جو اللہ نے اپنی حجت تمام کر دینے کے لیے فرمایا ہے کہ تمھاری طرف اپنی یاددہانی بھی اس نے نازل کر دی ہے اور ایک رسول بھی بھیج دیا ہے جو ایمان و عملِ صالح کی راہ اختیار کرنے والوں کو اللہ کی آیات سنا رہا ہے تاکہ ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی شاہراہ پر لائے۔ مطلب یہ ہے کہ اس اہتمام کے بعد بھی اگر تم نے روشنی پر تاریکی ہی کو ترجیح دی تو اس کی ذمہ داری تمھارے ہی اوپر ہوگی اور اس گمراہی کے لیے اپنے رب کے سامنے تم کوئی عذر نہ پیش کر سکو گے۔

رسول کی زندگی سراپا ذکرِ الٰہی ہوتی ہے

'ذِكْرًا ۙ رَّسُوْلًا' میں 'ذکر' سے مراد قرآن مجید ہے۔ قرآن کو 'ذِکْرٰی' اور 'ذِی الذِّکْرِ' کے الفاظ سے بھی تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اس تعبیر کے مضمرات کی طرف ہم اس کے محل میں اشارہ کر چکے ہیں۔ یہ انسانی فطرت کے تمام مضمرات کی یاددہانی کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے خلق کی رہنمائی کے لیے جو ہدایات بھیجیں اور جن کو قومیں فراموش کرتی رہیں ان کی بھی یاددہانی کرتا ہے، رسولوں کی تکذیب کرنے والوں اور ان پر ایمان لانے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو معاملہ کیا اس کی بھی یاددہانی کرتا ہے اور سب سے بڑھ کر اس جزا اور سزا کی یاددہانی کرتا ہے جس کا ایک معین دن اس زندگی کے بعد لازماً ظہور میں آنے والا ہے جو اس دنیا کی غایت و نہایت ہے۔

'رَسُوْلًا' یہاں 'ذِکْرًا' سے بدل ہے اور اس کا بدل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ان دونوں میں روح اور قالب کا رشتہ ہے۔ چنانچہ قرآن کے لیے جس طرح لفظ 'ذکر' آیا ہے اسی طرح رسول کے لیے 'مُذَکِّر' آیا ہے 'اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ' (الغاشیۃ ۸۸: ۲۱) (تم تو بس ایک مذکر ہو)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سراپا ان حقائق کی یاددہانی تھی جن کی یاددہانی کے لیے قرآن نازل ہوا۔ یعنی قرآن نے

جو کچھ بتایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب کچھ کر کے بھی دکھا دیا جس سے لوگوں پر اللہ کی حجت اس طرح پوری ہو گئی کہ اس میں کسی پہلو سے کوئی کسر باقی نہیں رہی۔

رزقِ آخرت کی بشارت — 'قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا'۔ یعنی جو ایمان و عمل صالح کی راہ اختیار کرے گا اور حدودِ الٰہی کی حفاظت کی خاطر ایثار کرے گا وہ مطمئن رہے کہ یہ خسارے کا سودا نہیں ہے بلکہ اللہ نے اس کے لیے آخرت میں نہایت اعلیٰ رزق تیار کر رکھا ہے۔ اوپر آیت ۳ میں ایثار و توکل کرنے والوں کو اس دنیا میں تائیدِ الٰہی کی بشارت دی ہے۔ یہ رزقِ آخرت کی بشارت ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ۬ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا (۱۲)

صفاتِ الٰہی کا حوالہ تاکہ لوگوں کا عقیدہ محکم ہو — یہ آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ قدرت اور صفتِ علم کی یاد دہانی فرمائی ہے تاکہ اوپر جو باتیں فرمائی گئی ہیں، خواہ ان کا تعلق تنبیہ و تہدید سے ہو یا تسکین و تسلی سے، ان کا اعتقاد لوگوں کے اندر راسخ ہو اور وہ یہ جانیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بے پناہ ہے، وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور اس کا علم بھی محیطِ کل ہے۔ سات آسمانوں اور سات زمینوں کی کوئی چیز بھی اس سے مخفی نہیں ہے۔ اگر کسی نے کوئی نیکی کی ہے تو وہ بھی اس کے علم میں ہے اور اگر کسی نے کوئی بدی کی ہے تو وہ بھی اس کے علم میں ہے۔ ظاہر ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ سے متعلق یہ شعور اچھی طرح دلوں کے اندر راسخ نہ ہو اس وقت تک اس کی شریعت کے احترام کا صحیح حق ادا نہیں ہو سکتا۔

سات آسمان اور سات زمین — 'اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ'۔ اپنی قدرت کی وسعت کا تصور دینے کے لیے فرمایا کہ یہ نہ گمان کرو کہ خدا کی کائنات کل اتنی ہی ہے جتنی تمھیں نظر آتی ہے۔ یہ تو اس کی کائنات کا ایک نہایت ہی حقیر اور محدود حصہ ہے۔ یہ آسمان جو تمھیں نظر آتا ہے اس جیسے سات آسمان خدا نے بنائے ہیں اور زمین بھی یہی نہیں ہے جس پر تم چلتے پھرتے ہو بلکہ زمینیں بھی ہر آسمان کے ساتھ الگ الگ سات ہیں۔

سات آسمانوں کا ذکر تو قرآن میں بھی بار بار ہوا ہے اور دوسرے آسمانی صحیفوں میں بھی ہے لیکن سات زمینوں کا ذکر صرف اس سورہ میں ہوا ہے لیکن جب سات آسمانوں کا ذکر ہوا ہے تو ان کے ساتھ سات زمینوں کا پایا جانا تو لازمی ہوا۔ آسمان اور زمین میں وہی نسبت ہے جو مکان اور اس کی چھت میں ہوتی ہے تو جب چھتیں سات ہیں تو مکان بھی سات ہونے چاہئیں۔ جس طرح آسمان کے بغیر زمین کا تصور نہیں کیا جا سکتا اسی طرح زمین کے بغیر آسمان کا بھی کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ بلندی کے لیے پستی کا وجود ناگزیر ہے۔

رہا یہ سوال کہ ان ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں میں ایک ہی طرح کے قوانین و نوامیس نافذ ہیں اور ایک ہی قسم کی مخلوق آباد ہے یا الگ الگ مخلوق اور الگ الگ نوامیس و قوانین ہیں تو مجرد 'مِثْلَهُنَّ'

کے لفظ سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ ہر عالم میں ایک ہی مخلوق اور ایک ہی قسم کے نوامیس و قوانین ہوں۔ اس تمثیل کا تعلق صرف پیدا کرنے سے ہے کہ اللہ نے جس طرح سات آسمان بنائے ہیں اسی طرح زمینیں بھی سات بنائی ہیں۔ رہے ان کے نوامیس و قوانین تو یہ چیز نہ اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے اور نہ ہماری اور آپ کی سمجھ میں آنے والی ہی ہے۔ ہمارے لیے یہ اجمالی ایمان بس ہے کہ ع

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

ہماری سائنس ابھی خلائے لامتناہی میں آوارہ گردی کر رہی ہے۔ وہ ایک راز کا انکشاف کرتی ہے تو اس سے سینکڑوں معمے دوسرے پیدا ہو جاتے ہیں۔ تاہم مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اگر سائنس سراغ نہ دے سکی تو آخرت میں ان شاء اللہ سارے راز کھل جائیں گے۔ اس دنیا میں انسان کو جو علم ملا ہے وہ بہت قلیل ہے۔ ‹وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا› (بنی اسرائیل۔ ۱۷: ۸۵)

‹یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ›: یعنی جس طرح تمہارے آسمان و زمین کے درمیان خدا کے احکام و قوانین کا نزول ہوتا ہے اسی طرح دوسرے آسمانوں اور زمینوں کے اندر بھی اس کے احکام نازل ہوتے ہیں۔

‹لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ›: یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی کائنات کا یہ راز تم پر اس لیے کھولا ہے کہ تم پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کوئی حد و نہایت نہیں ہے۔ ‹لِتَعْلَمُوْٓا› سے پہلے ایک مناسب موقع فعل محذوف ہے اور اس قسم کے حذف کی مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں۔

‹وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا›: یہ اس کا دوسرا مقصد واضح فرمایا کہ جس طرح اس کی قدرت کی کوئی حد و نہایت نہیں اسی طرح اس کے علم کی بھی کوئی حد و نہایت نہیں ہے۔ اس کا علم ان تمام عوالم کی ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق و عنایت سے اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ فللّٰہ الحمد ولہ المنّۃ۔

رحمان آباد

۲۵ ۔ اپریل ۱۹۷۶ء

۱۶۔ جمادی الاول ۱۳۹۶ھ